اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند کرنے کے لئے تعلیمات نبوی ﷺ و مناہج

ڈاکٹر سیدہ سعدیہ*

The first Islamic State was established at Madina and this was a unique and model state for whole mankind due its principles and discipline. The Prophet s.a.w. is Allah's blessing for whole humanity as he devised the primary rules of justice and impartiality and applied them in his state as a ruler. His state was state of peace, brotherhood and prosperity. His exemplary life was source of knowledge and inspiration for all regarding enforcement of law in territory. This is usual that masses disobey and violate the rules and then consider it a right to do so but his successful policies created such environment that without any fear and force all were ready to follow and comply. His basic rule of forgiveness with justice was the key to conquer the hearts of dwellers. Tool of punishment and coercive behavior was used rarely. A change in mind and hearts leaded to an integrated and cohesive environment. Everyone was with believe that ruler is his own and there is nothing against his benefits and contentment.

اللہ رب العزت نے اقوام وملل کے عروج وزوال کا فلسفہ قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ [1] اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر دور میں انسان نے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے معاشرتی امن وسکون کو تہ بالا کیا۔ قانون کی دھجیاں اڑائی جاتی رہیں اور سماجی زندگی میں فتنہ و فساد، ظلم وتعدی ، انتشار و بدنظمی کو پروان چڑھاتا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ بد نظمی، فساد ، انتشار، ظلم و جور کا پودا ازخود نمو نہیں پاتا جب تک کہ افراد معاشرہ خود اس کی آبیاری نہ کریں۔ اسی بناء پر اللہ رب العزت کا قانون مکافات و قانون جزا وسزا بھی متحرک ہوجاتا ہے تاکہ اصلاح و توبہ اور مراجعت کے مواقع حاصل رہیں۔ بنی نوع انسان میں شر و فساد کہ اس فطری رجحان کے پیش نظر ہر زمانے میں اصلاح و احوال کی ضرورت رہی ۔ اس ضرورت کو بطریق احسن پورا کرنے کے لئے اللہ رب العزت نے سلسلہ نبوت کاآغاز فرمایا جس سلسلہ کی تکمیل نبی اکمل ﷺ کی بعثت سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے اپنی بے مثل حکمت اور جامع وابدی تعلیمات کے ساتھ اس عالم بے ثبات کے منتشر اجزاء کی شیرازہ بندی کی ، جس

* جزوقتی لیکچرر، شیخ زائد اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب،لاہور ۔

سے سسکتی اور دم توڑتی انسانیت احسن تقویم کے منصب پر سرفراز ہوئی اور خیر و برکات ، فوز وفلاح ، اخوت و محبت، ایثارو وفا کے گوہر نایاب سے بہر ور ہوئے۔ نظم و ضبط ہی وہ زریں اصول

ہے جس سے قوموں کے مہذب و متمدن ہونے کا پتہ ملتا ہے اور یہی اصول انہیں اوج ثریا سے ہمکنار کرتا ہے۔

نظم وضبط کی اہمیت:کائنات کا تمام نظام ایک ضابطے اور نظم وضبط کا پابند ہے ۔ خلاق عالم کے شاہکار میں موجود نباتات ہوں یا حیوانات، جمادات ہو یاحشرات ہر ایک کی زندگی ایک قاعدے اور اصول کی پابند ہے اور یہی ہم آہنگی زندگی میں حسن وترتیب پیدا کئے ہوئے ہے۔ تمام مخلوقات اپنے مخصوص اعمال سرانجام دینے میں نظم وضبط کے اصول کو اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ اصول عالم سماوی میں بھی کار فرما نظر آتاہے اور عالم ارضی میں بھی اسی کی جلوہ فرمائی ہے۔ اس اصول کی بنیاد ایک اہم نکتہ میں پوشیدہ ہے جس کی جانب قرآن کریم ان الفاظ میں اشارہ فرماتا ہے ۔لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ [2] یعنی اللہ رب العزت کی وحدانیت ہی نے کائنات کو منظم کیا ہوا ہے۔ گویا اسلام ہمیں جن اصول و ضوابط کا پابند ٹھہراتا ہے وہ انسان کی زندگی کو ایک قاعدے ایک نظام کا پابند کرتے ہیں ۔ کیونکہ اسلام محض ایک دین ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک نظام حیات ہے ۔ اور نظام حیات کا مطلب ہی تمام شعبہ ہائے زیست میں ارتباط و اتصال ہے ۔ ایک مسلمان کی زندگی کا معاشرتی ، معاشی ، اخلاقی، روحانی اور سیاسی ہر پہلو ایک دوسرے سے منسلک ہے کسی ایک پہلو کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا ہے ۔ اسی لئے اسلام کے سیاسی نظام میں ریاست بعینہ ایک کائنات ہے۔ جس کے تمام شعبہ جات باہم منظم ہیں اور اگر کوئی ادارہ اپنانظم برقرار نہیں پاتا تو پھر اس کے اثرات پورے معاشرے پر انتشاروفساد کی صورت میں سامنے آتے ہیں جس سے نہ صرف معاشرتی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے بلکہ ریاستی امور بھی شکست و ریخت سے دوچار ہوتے ہیں ۔ یوں قوموں کی زندگی اضمحلال و ضعف کا شکار ہوجاتی ہے اور ان کا عروج تنزل میں تبدیل ہونا شروع ہوجاتا ہے ، اقوام عالم کی زندگی میں نظم و ضبط وہ زریں اصول ہے جس سے قوموں کا عروج وزوال وابستہ ہےنظم وضبط کی یہی تعلیم وتربیت ریاستی سطح سے دی جائے گی تو اسکے اثرات زیادہ مؤثر ہوں و ہمہ گیر ہوں گے۔ کیونکہ ایک ریاست کی جہاں یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ملک کی سرحدوں کا دفاع کرے، عوام الناس کی حقوق کا تحفظ کرے ، ان کی مادی ترقی کے لئے کوشاں رہے وہیں ایک ریاست کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ افراد ریاست کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے بھی اپنے وسائل کو بروئے کار لائے۔ایک اسلامی ریاست کس طرح عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند

بنا سکتی ہے اس بارے میں جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلام کے تصورریاست مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

اسلام کے تصور ریاست اور نظم و ضبط میں تعلق:

اسلام کامل ضابطہ حیات ہے جو ذریت آدم کی روحانی ،اخلاقی ، معاشرتی ، معاشی اورتہذیبی و ثقافتی پہلوؤں پر راہنمائی کر نے کے ساتھ ساتھ حیات انسانی کے سیاسی امور و معاملات سے متعلق بھی جامع تعلیمات عطا فرماتا ہے۔ دین اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ جہاں وہ انسان کےروحانی علو و برتری کو فوزو فلاح کا باعث قرار دیتا ہے وہیں وہ بنی آدم کی دیگر سماجی ، معاشرتی ، اخلاقی اور سیاسی ضروریات و مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کی تربیت کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے تاکہ اخروی و ابدی نجات و کامیابی کے حصول میں کوئی بھی پہلو اثر انداز نہ ہو۔ نیز وہ اپنی تمام بنیادی ضروریات کی تکمیل اور امور کی انجام دہی میں بھی مرضیات الہٰی کے تابع ہوسکے۔ اس بنیادی تصور کے باعث اسلام کا تصور ریاست وطرز حکمرانی بھی دیگر ادیان و مذاہب اور نظام ہائے فکر میں ایک منفرد و ممیز مقام کا حامل ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں :مذہب انسان اور خالق کے تعلق کا نام ہے ، اور سیاست بندوں کے باہمی تعلقات کے لئے برسرکار ہوتی ہے ، لیکن اگر ان دونوں میں کوئی رابطہ اور حلقہ ء اتصال نہ پیدا کیا جائے ، تو انسانیت کو لامحدود نقصان پہنچ جاتا ہے ۔ اسلام نے اس کا ایک حل تلاش کرلیا، اورا س کو کامیابی سے عمل میں لاکر بھی دکھا دیا ۔اور یہ تھا کہ اگر مذہب اور سیاست دونوں کے دائرہ عمل بالکل جدا جدا ہیں ، لیکن دونوں کے قواعد کا ماخذ و اساس ایک ہی چیز کو قرار دیا گیا چنانچہ مسلمانوں کا مذہب اور مسلمانوں کی سیاست دونوں کی راہنمائی قرآن وحدیث ، اصول انصاف واستحسان اور ہم آہنگی ضمیر سے ہوتی ہے ۔ [3]اسلامی ریاست کی جو نمایاں خصوصیت اسے دیگر سیاسی و ریاستی نظاموں سے جدا کرتی ہے وہ اقتدار اعلیٰ کا تصور ہے ۔ یعنی کوئی فرد، جماعت ، ادارہ یاتنظیم اقتدار اعلیٰ کی مالک نہیں ۔ اور انسان اللہ کے نائب کی حیثیت سے امور انجام دیتا ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ [4] ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ [5] فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ [6] اسلامی ریاست معاہدہ ربانی پر مبنی ہے ۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان نے خدائے واحد سے معاہدہ اطاعت کیا تھا۔ اسلامی ریاست اس معاہدہ پر مبنی معاشرہ کو منظم کرتی ہے۔ یہ معاہدہ ایسا ہے جس میں ریاست کا ہر فرد مسؤل ہے ۔ [7]

حدیث نبوی ﷺ ہے: کُلُّکُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِهِ،[8] اللہ رب العزت نے انسان کی انفرادی ، اخلاقی ، روحانی ضروریات کی تکمیل کے لوازمات ہی نہیں عطا فرمائے بلکہ اس کے ساتھ اس کی معاشرتی ضروریات کو بھی بطریق احسن انجام دینے کے لئے ایک ریاستی وسیاسی نظام وضع فرمایا ہے۔ کیونکہ اس کا مقصود ومنشا یہ ہے کہ انسان ایک منظم اجتماعی زندگی گزارے ۔ جہاں معاشرے میں ظلم وتعدی ،فساد وانتشار، بد نظمی نظر آئے گی اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے اپنی زندگی میں ان اصولوں کی پیروی نہیں کی جو اسے اللہ رب العزت کی جانب سے ودیعت کردہ ہیں۔

عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے ریاست کی اہمیت:

ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں : معاشرتی نظم وضبط کی تمام تر ذمہ داری ریاست پر عائد ہوتی ہے اس لئے اس کی ہئیت ترکیبی خاندان اور مذہبی ادارے سے قدرے مختلف ہوتی ہے ۔ ریاست کے تصور میں جغرافیائی حد بندی کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس سے کسی قوم میں تنظیم کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ ریاست کسی خاص خطہ زمین پر رہنے والے افراد کے مختلف گروہوں کے باہمی تعلقات کو منضبط اور ان کے مفادات و مقاصد کو ہم آہنگ کرتی ہے۔[9]ریاست چونکہ ایک معاشرتی ادارہ ہے اس لئے وہ ریاست اور افراد کے مابین ایک ربط وتعلق پید اکرتا ہے ۔ عوام الناس کے حقوق ومفادات کا تحفظ یقینی بناتا ہے تاکہ معاشرتی تنظیم احسن انداز میں قائم رہے۔ یہ ریاست اور افراد معاشرہ کا باہمی تعلق ہی ہےجو انہیں ایک قوم کی بناتا ہے۔ قوم کے مشترکہ مفادات کا حصول ہی انہیں نصب العین کے حصول کے لئے متحد کرتاہے۔ ریاست چونکہ معاشرتی نظم کا ادارہ ہے اس لئے یہ خاندان اور عبادت گاہ سے مختلف ہے کیونکہ اس کے پاس قانونی قوت ہوتی ہے اور اس کا دائرہ وسیع ہوتا ہے ۔ علمائے معاشرت کے نزدیک ریاست ایک ناگزیر ادارہ ہے اور اس کے بغیر تنظیم معاشرت بھی ممکن نہیں ۔ [10]ایک ریاست کو صرف فرد کی ضروریات سے ہٹ کر معاشرے کی اجتماعی ضروریات اور گروہ کی بھلائی کی طرف بھی دیکھنا چاہئیے اسے عمومی مفادات کا خیال رکھنا چاہئیے اور معاشرے کے لئے ایسے کام کرنے چاہئیں جن کے مشترکہ مفادات متقاضی ہیں۔ [11]دنیا میں ایک منظم مملکت کا قیام ایک منظم سیاسی معاشرہ پر مبنی ہے ہر سیاسی اجتماع کےلئے وحدت ضروری ہے اس لئے اسلامی حکومت کا انحصار بھی اس وحدانی نظام پر ہے جو امت متحدہ صورت میں قائم کرتی ہے ۔ [12]انبیاء ؑ نے صالح معاشروں

کے قیام اور عادلانہ ریاستوں کے وجود کے لئے جو کوششیں کی ہیں انہیں انسانی تاریخ سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے جس کا نصب العین عوام کی انفرادی واجتماعی بہبود ہے اور یہ بہبود محض دنیاوی سازوسامان کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس میں اخروی زندگی کے فلاح بھی شامل ہے [13] علمائے معاشرت کے نزدیک ریاست معاشرتی تنظیم کا نقطہ عروج ہے اور کسی معاشرے کی ہئیت اجتماعیہ کا صحیح اندازہ اس کی تنظیم ریاست ہی سے ہوسکتا ہے ریاست ایک اہم معاشرتی ادارہ ہے ۔ جو انسانی تنظیم میں بنیادی کردار ادا کر تا ہے ۔ اور اسلامی نے اس کی تنظیم و تنفیذ کی طرف خصوصی توجہ دی حضور اکرم اور خلفائے راشدین کے مبارک ادوار میں اس کے لئے جو اصول وضع کئے گئے اور جو معیار قائم کیا گیا وہ مسلمانوں کی تاریخ میں ہمیشہ ایک ماڈل کی حیثیت سے دیکھا جاتا رہا ہے ۔ [14]

غرض شریعت اسلامیہ کے پیش نظر ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے جو نہ صرف اخلاقی سطح پر بلکہ کاروبار حیات کے عملی میدان میں بھی راستی کے اصولوں پر کار بند ہو، یعنی ایک ایسا معاشرہ جس میں جسمانی اور روحانی ہر دو طرح کی ضرورتوں کی تکمیل کا اہتمام کیا گیا ہو۔ گویا ریاست اسی وقت حقیقی معنوں میں اسلامی کہلا سکتی ہے جب قوم کے معاملات کو ایسے اصولوں کی روشنی میں بروئے کار لایا جائے جہاں فرد خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت ، کم ازکم مادی فلاح و بہبود حاصل کرسکے ۔ جس کی عدم موجودگی میں نہ تو انسانی وقار قائم رہ سکتا ہے ، نہ ہی حریت و آزادی کی نعمت کا اتمام ہوسکتا ہے اور نہ ہی روحانی نشو و ارتقا کی کوئی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ [15]

اسلامی ریاست کی خصوصیات و مقاصد:اسلامی ریاست کا سب سے بڑا وصف حقوق انسانی کی بحالی ہے اسلام سے قبل تمام کرہ ارض کی سلطنتوں میں حقوق انسانی کا تصور محض عنقا تھا ۔ معاشرہ مختلف طبقات میں بٹا ہوا تھا عوام حقوق انسانی سے محروم تھے ۔ ان کی زندگی بہائم سے بھی بدتر تھی ۔ اس تاریک دور میں مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں تکریم انسانیت کی آواز بلند ہوئی اور تمام مراعات یافتہ طبقہ آپ کا دشمن بن گیا جب آپ ہجرت فرماکر مدینہ آئے تو ریاست کی بنیاد رکھی اور تمام حقوق انسانی کو عملی جامہ پہنایا ۔ [16]ذیل میں ان حقوق انسانی کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے جن کے تحفظ کے لئے اسلامی ریاست کا قیام ناگزیرہے۔

۱۔ عدل وانصاف کا قیام: ریاست کا اولین مقصد نظام عدل کا قیام ہے ۔ اگر کسی ریاست میں اجتماعی عدل موجود نہ ہوتو وہاں فساد وانتشار ، بد نظمی اور تخریب نظر آئے گی ۔ معاشرتی نقطہ نظر سے بھی ریاست کا اولین فرض یہی ہے کہ وہ اجتماعی عدل کو قیام عمل میں لائے ۔ اسلام انبیاء ؑ کی بعثت کے مقاصد میں سے یہ اہم مقصد قرار دیتا ہے کہ معاشرے میں عدل کا قیام ممکن بنایا جائے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ [17] اس آیت میں لوہے سے مراد سیاسی قوت ہے اور کتاب و میزان وہ معتدل نظام ہے جس کے تحت اجتماعی عدل قائم ہوتا ہے۔سورہ الحجرات میں ارشاد ہے : وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ [18] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا ۚ وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا [19] فرمان ربی ہے : وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا [20] ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست پر یہ فرض ہے کہ وہ اجتماعی عدل کا قیام ممکن بنائے ۔ عصر حاضر میں جو بد نظمی و انتشار نظر آتاہے اس کا اہم سبب یہی ہے کہ اسلامی ریاست نے اپنے اس فریضہ سے کوتاہی برتنی شروع کر دی ہے ۔ جس ریاست میں اس بنیادی ذمہ داری سے غفلت برتی جائے وہاں امن وسکون کا قیام ایک خواب بن جاتا ہے ۔

۲۔ بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ : انسانی حقوق کا تعلق ہر فر د سے ہے ۔ اور جس معاشرے میں فرد کو یہ حقوق میسر نہ نہیں وہاں اجتماعیت کی صحت مندی کا تصور ممکن نہیں ۔ [21] شعبہ ہائے زیست کا کوئی بھی پہلو دین اکمل کی اس خصوصیت مبرا نہیں ہے ۔ دین اسلام کی یہی صفت اسے تمام ادیان و مذاہب میں امتیاز عطا کرتی ہے ۔ اس لئے بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کا جو جامع و اکمل تصور دین اسلام نے پیش کیا ہے عصر حاضر کی متمدن و مہذب ریاست ہونے کی دعویدار کوئی بھی ریاست اپنے آئین و اصولوں میں اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ اسلام فرد سے لے کر اجتماعیت کے تمام مدارج کو ایک نظم کا پابند بنا کر ان حقوق کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ ان کی ترتیب اس احسن انداز میں کرتا ہے

کہ حقوق وفرائض ایک دوسرے سے باہم منسلک محسوس ہوتے ہیں ۔ حقوق خواہ انفرادی ہو، سیاسی، معاشی ، معاشرتی یا اخلاقی ، اسلام انتہائی حکمت وباریک بینی سے ان کا تحفظ یقینی بناتا ہے اور افراد معاشرہ سے لے کر ریاست کو ان کے تحفظ کا ذمہ دار قرار دیتی ہے ۔ ان بنیادی انسانی حقوق میں درج ذیل حقوق شامل ہیں :

(۱)**تحفظ جان ومال اور تحفظ عزت وآبرو**: اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ افراد معاشرہ کی جان ومال کا تحفظ یقینی بنائے ۔ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا [22]ارشاد نبوی ہے ۔ **كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ**[23] جس معاشرے میں عوام الناس کی جان و مال محفوظ نہ ہو وہاں پائیدار امن اور مستحکم معاشرت کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ ایسا معاشرہ بدنظمی ، انتشار اور اخلاقی وعملی ابتری کا شکار ہوجاتا ہے۔

(ب) **حرمت آبرو کا حق**: اسلام شرف انسانیت کا علمبردار ہے لہذا تحفظ حرمت جان کے ساتھ حرمت آبرو کا بھی حکم دیا گیا ہے ۔ سورہ الحجرات میں اس حوالے سے واضح احکام دیئے گئے ہیں :[24] ا۔ کسی کا مذاق نہ اڑائیں ۲۔ کسی پر طعن و تشنیع نہ کریں ۳۔ کسی کو برے القاب سے نہ پکاریں ۔ ۴۔ کسی کے متعلق بد گمانی نہ کریں اور غیبت سے بچیں ۔ حدیث مبارکہ ہے : ایاکم والظن ، فان الظن اکذب الحدیث، ولاتجسسوا ولا تحسسوا[25]مسلمانوں کو اذیت نہ پہنچاؤ ۔ ان سے بری باتیں منسوب نہ کرو ۔ ان کے پوشیدہ عیبوں کو ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرو ۔ دیکھو:اگر کوئی مسلمان اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کے پوشیدہ عیوب کو ظاہر کرتا ہے تو پھر اللہ بھی اس کے چھپے ہوئے عیبوں سے پردہ ضرور اٹھادے گا۔[26]

(ج)۔ شخصی آزادی کا حق: اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے شہریوں کے شخصی حقوق کا تحفظ یقینی بنائے۔ ایسے اقدامات کئے جائیں جن سےان کی آزادی مجروح نہ ہو۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ [27]

سوائے یہ کہ کسی فرد کی آزادی سے قومی وملی مفاد اور دینی و معاشرتی مصالح متاثر ہو رہے ہو لہذا ایسے حالات میں ریاست ایسا طریقہ کار اپنائے جس سے کسی بھی فرد کی آزادی سلب ہوئے بغیر اصلاح ممکن ہوسکے ۔ اسلام شبہات وشکوک کی بنیاد پر کوئی کاروائی کرنے سے منع کرتا ہے ۔ بلکہ شک تو حدود کو بھی ساقط کر دیتا ہے ۔ اس ارشاد کی روشنی میں ارباب حکومت پر یہ فرض عائد

ہوتا ہے کہ وہ عوام کی عیب چینی نہ کریں ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کا حکام جب اپنی رعایا کی عیب جوئی کے درپے ہوجائے تو سمجھ لو کہ وہ ان کو بگاڑ کر رہے گا۔ [28]

اسلامی ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی عدالتی و قانونی ثبوت کے بغیر کسی کے خلاف کوئی چارہ جوئی کرے۔ریاست کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ شہریوں کی شخصی آزادی کو مختلف چالوں اور بہانوں سے ختم کردے۔اسلامی ریاست اپنا نظم ظاہری بنیادوں پر استور رکھتی ہے ۔ اس کو نیتوں اور دلوں کو ٹٹولنے کی ضرورت نہیں ۔ وہ ان اعمال سے تعلق رکھتی ہے جو شہریوں کی ظاہری زندگی کا نتیجہ ہیں ۔ [29] مولانا امین احسن اصلاحی رقمطراز ہیں : پھر اسلام کی رو سے ، چونکہ حکومت کوئی مقصد بالذات شئی نہیں بلکہ وہ محض ایک ذریعہ ہے اس بات کا کہ شہریوں کو رائے وعمل کی وہ آزادی بہم پہنچائی جائے جو اسلام نے افراد معاشرہ کو بخشی ہے تاکہ آزمائش کی وہ غرض کما حقہ پوری ہوسکے جس کی خاطر ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا ہے ۔ اس وجہ سے اسلام کسی غیر معمولی حالت میں بھی حکومت کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ انصاف کی شرطیں پوری کئے بغیر کسی شہری کی آزادی کو سلب یا محدود کرے ۔ [30]

(د) **مسلک و رائے کی آزادی کا تحفظ :** اسلامی ریاست دیگر ریاستوں سے اس لئے منفرد ہے کہ اسلامی ریاست ایک اصولی ریاست ہے جس میں اصول وقواعد سے مبرا کوئی بھی نہیں ہے ۔ جس میں ریاست اور افراد معاشرہ کے مابین حقوق و فرائض کی تقسیم میں دونوں کی حدود کو مد نظر رکھا جائے گا۔ اسلامی ریاست ہر شہری کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ اجتہادی بصیرت یا تقلیدی احساس کے ساتھ کوئی سا بھی فقہی وکلامی مسلک اختیار کرے ۔ اصل چیز ان کے دلیل ہے ۔ اگر وہ قرآن وسنت سے انحراف کریں جو دین کی روح کے منافی ہے تو ایسے میں ریاست ان کو پابند کرنے کی مجاز ہوگی۔ اس سلسلے میں خلفاء راشدین کے عہد سے بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں ۔ مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنے کے سلسلے میں حضرت عمر ؓ کا اختلاف اور جناب ابو بکر صدیق ؓ کا استدلال [31]، اس کی واضح مثال ہیں ۔ اسلامی ریاست انفرادی رائے اور عقیدہ میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتی ، ہاں اگر کوئی اختلاف اجتماعی فساد کی صورت اختیار کررہا ہو تو اسے افہام وتفہیم اور تبلیغ و ارشاد سے رفع کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر طاقت کا استعمال وہاں بھی نہیں کرتی ۔ اس طرح اسلامی ریاست میں مسلمانوں کو سیاسی میدان میں اختلاف کا

حق ملتا ہے ۔ وہ آزادی سے اپنی رائے کا اعتدال پسندانہ رویہ اختیار کرسکتے ہیں۔ اور اسلامی ریاست ان سے کوئی تعرض نہیں کرتی ۔ [32]

(ہ) **مساوات :** مساوات کے معنی برابری کے ہیں ۔ جس معاشرے میں مساوات نہیں ہوگی وہاں کا نظام اجتماعیت درہم برہم ہوجائے گا۔ اسلام کا نظر یہ مساوات محض ایک نظریہ ہی نہیں بلکہ ہے اسلام ایسے تمام اقدامات کرتا ہے جن سے معاشرے میں ہر طرح کی مساوات قائم ہو خواہ وہ معاشی مساوات سے تعلق رکھتی ہو یا معاشرتی یا قانونی مساوات سے منسلک ہو۔ اسلامی ریاست کا کوئی بھی فرد مساوات سے بالاتر نہیں ۔ اسلام کسی بھی رنگ ونسل ، امیر وغریب ،آقاو مولٰی ، حسب ونسب کے فرق و امتیاز کا قائل نہیں ، [33]ان تمام بنیادی حقوق کے تحفظ اور ادائیگی کے ساتھ ایک اسلامی ریاست ایک ایسا معاشرے کا قیام عمل میں لانے کی کوشش کرتی ہے جن سے ایک پر امن ، مہذب ومنظم معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اسلامی معاشرہ کی بنیادیں : رسول اللہ نے ایک ایسی ریاست کی بنیاد رکھی جس میں ایک نظم و ربط موجود تھا، فرد سے لے کر اجتماعیت تک ایک ہی لڑی میں منسلک تھے۔ آپ نے معاشرہ و ریاست کی تشکیل میں تین بنیادوں پر کام کیا۔

۱۔ تطہیر فکر : ذہنی اور فکری اصلاح ہے ۔ اس لئے کہ ذہنی و فکری اصلاح کے بغیر ایک صالح معاشرہ کا قیام عمل میں نہیں آسکتا۔ اس سلسلے میں آپ نے عقائد کی درستگی واصلاح کا فرض منصب اولین طور پر انجام دیا ۔ رسول اللہ نے انسانی رویہ کی اصلاح اور کردار کی تشکیل کی طرف خصوصی توجہ فرمائی ، نبوت کے مشن کی تکمیل اس کے بغیر نہیں ہوتی ، کردار سازی تو تمام انبیاء کا مشترکہ مقصد رسالت رہا ہے ۔ رویہ کی اصلاح کے لئے اخلاقی اقدار اور تزکیہ و احسان کا ایک جامع پروگرام انبیاء کے مشن کا لازمی حصہ ہوتا ہے اسی لئے رسول اللہ نے ایمان اور فضائل اخلاق کو اعمال و نفاذ قانون پر مقدم رکھا اور ایمان و اخلاق کی تعلیم تئیس سالہ نبوت کی زندگی میں ہمیشہ سر فہرست رہی ہے ۔ [34] آپ نے عقائد کی اصلاح اس طرح فرمائی کہ صحابہ کرام ؓ کے عقائد اور ان کے اعمال میں یکسوئی و ہم آہنگی پیدا ہوگئی۔ اور ان میں فرائض کی ادائیگی کا شعور مکمل طور پر موجزن ہوگیا۔

۲۔ تزکیہ نفس: قرآن کریم نے رسول اللہ کی بعثت کے مقاصد میں ایک مقصد تزکیہ نفس بھی قرار دیا ہے بلکہ تزکیہ نفس کو تعلیم کتاب وحکمت سے مقدم رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ

رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ[35] اس کی وجہ یہ ہے جب دل میں تقوٰی کی صفات موجزن ہوگئیں تو پھر اعمال بھی للہیت پر مبنی ہوں گے۔

۳۔ اخلاق حسنہ : انسانی تہذیب وتمدن کا تمام تر دارو مدار اخلاقی اقدار پر ہے ۔ جو قوم اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہوجاتی ہے وہ لازماً زوال کا شکار ہوجاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکارم اخلاق کی تعلیم بھی دی تاکہ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جس میں اتحادو یگانگت، ہمدردی و خیر خواہی، صبر وتحمل جیسے اعلیٰ اوصاف موجود ہوں ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے : لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا --- وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ[36] سورہ الفرقان : وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ --- ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا [37] آپ ﷺ نے ان مذکورہ بنیادوں پر معاشرہ قائم کر کے چھوڑ نہیں دیا بلکہ اس میں تسلسل اور مزید استحکام پیدا کرنے کے لئے تعلیم وتربیت کا نظام بھی قائم کیا جو تمام زندگی مسلسل قائم رہا۔ آپ ﷺ نے جہاں ایجابی امور انجام د ئیے وہاں سلبی امور کی طرف بھی توجہ فرمائی کہ ان تمام ذرائع کا بھی سد باب فرمایا جو برائیوں کے سرایت کرنے کاسبب بنتے ہیں ۔ [38]آپ ﷺ نے عقائد کی اصلاح اس طرح فرمائی کہ صحابہ کرام ؓ کے عقائد اور ان کے اعمال میں یکسوئی و ہم آہنگی پیدا ہوگئی۔ اور ان میں فرائض کی ادائیگی کا شعور مکمل طور پر موجزن ہوگیا۔ عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے آپ ﷺ نےجوتعلیمات دیں ذیل میں ان کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے۔

عوام لناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے نبوی ﷺ تعلیمات:

نبی کریم ﷺ نے جن منہاج واصولوں کو اختیار کیا ان کی وضاحت سے یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ نے انسان کا تعلق اس کے خالق حقیقی سے ان مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جو انسان کو نظم وضبط کو پابند بنانے میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔آپ ﷺ کی یہ جامع تعلیمات خواہ انسانی کی دینی زندگی سے متعلق ہوں ، یامادی ، معاشرتی و اخلاقی اورسیاسی زندگی سے متعلق ہو ں سب کا مقصد انسان کو معاشرے کا ایک منظم فردبنانا ہے۔ تمام تعلیمات انسانی کردار کی تعمیرو تنظیم میں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ نیز ان تمام تعلیمات میں بھی باہم ہم آہنگی اور ربط موجود ہے جس کے باعث فرد کے زندگی کا ہر پہلوایک دوسرے سے منسلک ہے۔ نماز باجماعت سے لے کر میدان کارزار تک کوئی بھی ایسا زاویہ عبادت نہیں جس میں اجتماعی فکر کو بروئے کار نہ لایا گیا ہو۔ اور انسانوں کو باہم مل جل کر احکامات خداوندی سے عہدہ برآ ہونے کی ہدایت نہ ہو ۔ نماز ، روزہ

، حج ، زکوٰۃ اور جہاد سب کے سب اسلام کی اجتماعی زندگی کے نمایاں عناصر ہیں۔ آپ کی تعلیمات کی یہ اہم خصوصیت ہے کہ جو نظام زندگی آپ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا اس کے مختلف حصے آپس میں اس طرح منسلک ہیں جس طرح ایک مشین کے مختلف اعضاء میں باہمی ربط وتعلق ہوتا ہے۔ جنہیں نظری طور پر تو الگ کیا جاسکتاہے لیکن عملا ہر عضواپنے حصہ کا مخصوص فعل سرانجام دیتا ہے اور ان کی اجتماعی کارگردگی میں مشین کے تمام اعضاء حصہ لیتے ہیں۔ بعینہ دین اسلام کی تمام جزئیات میں بھی باہم نظم و ربط موجود ہے اور ایک مکمل وحدت موجود ہے ۔ اسی لئے قرآن کریم ایک مومن سے تقاضا کرتا ہے کہ : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ[39]

اسلام کا نظام عبادت اور نظم وضبط :مسجد نبوی نے مدنی معاشرے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا جہاں روحانی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ کردار سازی کا ضروری کام بھی انجام پاتا رہا۔ مسلمانوں کو اخوت و غمخواری کا درس ملا۔ مسلمانوں کی ثقافتی و معاشرتی آبیاری کے ساتھ ان کی شہری وسیاسی تربیت بھی کی گئی۔ نماز کے لئے قبلہ رخ ہونے کا حکم ،[40]مسجد میں نماز با جماعت کا ایسا اہتمام[41] کہ صف بندی میں کوئی معمولی رخنہ بھی گوارا نہیں [42]۔ تاکہ تنظیم میں کہیں کوئی کمی نہ آجائے۔ مسجد کے آداب 'ایک امام کی اقتداء،[43] ظاہری وباطنی طہارت کا التزام ، مقررہ اوقات کی پابندی [44] نماز جمعہ کی ادائیگی کے اوقات میں کاروبار سے منع ہونا [45] ، مساجد میں بیوع سے منع کرنا [46]ایسے اوصاف ہیں جن کی ضرورت مذہبی زندگی سے زیادہ سماجی وسیاسی زندگی کی تشکیل میں زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ یہی اوصاف پنپتے ہیں تو ایک اچھی حکومت، منظم معاشرہ اور پختہ ومستحکم اجتماع وجود میں آتا ہے۔ مسجد کی یہ تعلیم دن میں پانچ بار انسانوں کی تربیت کرتی ہے ۔ اور اسلام حکم دیتا ہے کہ جیسے ہی بچہ کچھ شعور حاصل کرے وہ ان نظم وضبط کے اصولوں کو سیکھے۔ اسی لئے سات سال کے بچے کو نماز کا حکم پڑھنے کی تلقین کرنے کا حکم دیا گیا ہے [47]۔**نماز** کو جماعت کے ساتھ اور ایک امام کی اقتداء میں ادا کرنے کا یہ حکم عام ، ظاہر ہے کہ محلہ داری نوعیت کا ہے ۔ یعنی اس حکم کا منشاء یہ ہے کہ بستی کے ہر محلے کے لوگ ایک دوسرے سے رابطہ قائم کریں۔ اور ہفتہ وار ایک جماعت اس طرح پڑھی جائے کہ پوری بستی ایک جگہ ، ایک امام کے پیچھے ، ایک ساتھ اپنے رب کے حضور جھکے۔ عوام الناس میں اجتماعیت کو فروغ دینے میں نماز جمعہ وعیدین اہم کردار ادا

کرتی ہیں جس کا دائرہ اثر ایک محلہ سے نکل کر کئی محلوں اور بستیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ غور کریں تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ مسجدصرف ایک عبادت گاہ کی حیثیت ہی نہیں رکھتی بلکہ وہ ایک ریاست کی عکاس ہے ۔ ایک ریاستی انتظام کس طرح چلتا ہے ، اس میں کن چیزوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے ،؟ ریاست کے عناصر ترکیبی کیا ہیں؟ ریاست کے فرائض کون کونسے ہیں ؟مسجد میں ان تمام ریاستی امورو معاملات کی بنیادیں ملتی ہیں۔ ا س ادارے نے بکھرے ہوئے انسانوں کو بتدریج جمع کرنے اور انتشار وتشتت کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں باہمی یگانگت ومحبت اور اتحاد و اتفاق کی ناقابل تسخیر قوت پیدا کرنے میں بے مثال کردار ادا انجام دیا۔ چنانچہ اجتماعیت و مرکزیت اور نظم و امتثال امر کی اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ نظام زکوۃ اور حج کی عبادت بھی لوگوں میں نظم وضبط پیدا کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔

زکوٰۃ : اسلام کا دوسرا اہم رکن زکوٰۃ ہے ۔وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ:[48] حدیث نبوی ﷺ ہے : أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ فِي فُقَرَائِهِمْ۔[49] اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ اسلام نے نماز کی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی اپنی اجتماعیت پسندی کا اظہار کیا ہے۔ رسول اللہﷺنے طبقاتی کشمکش کو ختم کرکے افراد معاشرہ کو امیر وغریب کی تقسیم سے نکال کر ایک اخوت ، تعاون ، ایثار و ہمدردی ،برابری اور مساوات کی صفات سے مزین فرما کر انہیں ایک معاشی نظم سے منسلک کیا ہے۔

روزہ : روزہ کی فرضیت اور احکام کے نتیجے میں جو صورتحال وجود میں آتی ہے وہ بھی انسانوں کو ایک نظم کا پابند ٹھہراتی ہے۔ ایک ماہ تک مسلسل روزے رکھنے سے پورا معاشرا ایک تربیتی کیمپ کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں ایک ہی تصور ابھرتا ہے کہ ہم سب ایک ہی منزل کے مسافر ہیں ۔

حج :حج جو اسلام کا چوتھا اہم رکن ہے اس میں نظم وضبط کا دائرہ اپنی تمام گزشتہ ، علاقائی ، جغرافیائی ، لسانی ، لونی او نسلی حد بندیوں کے حصار سے نکل کر ایک عالمگیر سطح پر اجتماعیت کا قیام عمل میں لاتا ہے ۔ حج کے دوران عالمگیر سطح پر نظم وضبط کے اصول سکھائے جاتے ہیں۔ تمام انسان بلا شرکت غیرے ، تمام تعصبات وحدبندیوں سے ماورا ہو کر ایک ہی تلبیہ ادا کرتے ہیں ، ایک ہی وقت میں ایک مخصوص طریقہ کا ر کے پابند رہ کر اپنے مناسک حج ادا کرتے ہیں۔ اسلام انسان کی انفرادی سطح سے لے کر

اجتماعی سطح بلکہ اداراتی ہرسطح تک انسان کو نظم وضبط کے اصول سکھاتا ہے ۔ اس کی تربیت کرتا ہے۔ اسلام کے نظام عبادت کا جائزہ لینے سےیہ معلوم ہوتا ہےکہ اسلام کس طرح انسانوں کو منظم کرتا ہے ۔ ان کے مابین اتحادو اتفاق پیدا کرنے کے لئے ایسے اقدامات کرتا ہے جس سے وہ ایک دوسرے کے معاون ، رفیق، خیر خواہ بنے رہیں اور کوئی بھی ایسا وصف ان میں پیدا نہ ہو جو ان کے نظم کو پارہ پارہ کرنے والاہو۔ شریعت نے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو توڑ نے کی کسی حال میں اجازت نہیں دی۔ حتٰی کہ میدان کارزار میں بھی نظم جماعت کو درہم برہم نہ ہونے دیا۔

میدان جہاد اور نظم وضبط کی نبوی ﷺ تعلیمات :

میدان جنگ میں نظم وضبط کی تلقین: وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ و۔۔۔أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا [50] آپ ﷺ نے دشمن سے قتال کرتے وقت بھی مسلمانوں کو منظم رہنے کی تلقین کی ۔ آداب جہاد کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو آپ ﷺ نے جن چیزوں سے جنگ کے دوران منع فرمایا وہ سب انتشار وفساد کو جنم دینے کا باعث بنتی ہیں ۔ آپ ﷺ نے جنگ میں بھی اصلاح کا پہلو مدنظر رکھا۔ قبل از اسلام جنگ کے کوئی اصول اور قاعدے نہیں تھے ۔ آپﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر صف بندی کو قائم کیا۔ عربوں میں صف بندی کا رواج نہ تھا جوش کا بے وقت اور بے محابہ استعمال اور اسلحہ کا بے کار خرچ بھی عام چیز تھی۔ جنگ بدر ہی سے آنحضرتﷺ نے اپنے سپاہیوں میں صف بندی شروع کردی تھی اور معائینے میں جو آگے پیچھے نظر آتا تھا اسے درست کیا جاتا تھا۔ [51]

فتح مکہ کے وقت تو صف آرائی ایک مخصوص افسر کے سپرد ہوگئی تھی جو وازع کہلاتا تھا ۔[52]جو اس سے پہلے عرب میں کبھی اختیار نہیں کی گئی تھی ۔یہ صف بندی بھی درحقیقت میدان جنگ میں نظم کو قائم رکھنے کے لئے تھی۔جس کے باعث مسلمان عددی لحاظ سے کمی کے باوجود آہنی حکمت عملی سے کفار پر حاوی رہے۔ قرآن کریم مسلمانوں کی اسی صفت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے : إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ [53] اسلام ایک مذہب ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسلام ایک نظام بھی ہے ۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا زمانہ خلافت میں بعض نو مسلم اسلامی نظام سے علیحدہ ہوگئے آپؓ نے کبار صحابہ ؓ کے ہمراہ ان کے خلاف جہاد کیا۔ اس موقع پر حضرت علی ؓ نے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی سواری کی باگ روک کر امیر المومنین سے خطاب کیا کہ ہمیں اپنی جان کا صدمہ نہ دیجئے اور مدینہ واپس چلیے ۔ اللہ

کی قسم اگر آپ کی جان چلی گئی اور ہمیں یہ صدمہ پہنچا تو اسلام کا نظام کبھی بھی اور کسی طرح قائم نہ ہوسکے گا۔ [54]
اس طرح کے الفاظ کا اظہار نبی کریم نے غزوہ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے فرمایاتھا۔ آپ نے فرمایا: اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لاتعبد[55] گویا اسلام کا ایک مذہب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نظام ہونے کا تصور تبھی پروان چڑھے گا جب معاشرے کے تمام اداروں اور افراد میں ایک دوسرے سے ربط واتصال ہوگا۔
رسول اللہ نے نظم وضبط کے فروغ کے لئے ہر ایسے اقدام کی تعلیم دی جس سے معاشرہ میں امن وسکون ، اتحادو یگانگت کو فروغ حاصل ہو۔ تمام افراد معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ باہم منسلک و متصل نظر آئیں ۔ ان کی دینی ، اخلاقی، سماجی،سیاسی و ثقافتی زندگی میں کہیں کوئی رخنہ نہ پڑے۔ اس لئے آپ نے جہاں اپنی میں نظم وضبط کو قائم کرنے کے لئے تعلیمات عطا فرمائیں وہیں ایسے اقدامات بھی کئے اور ایسی تعلیمات بھی پیش کیں جن سے معاشرتی نظم وضبط متاثر ہوتا ہو۔ رسول اللہ نے نظم وضبط کے فروغ کے لئے ہر ایسے اقدام کی تعلیم دی جس سے معاشرہ میں امن وسکون ، اتحادو یگانگت کو فروغ حاصل ہو۔ تمام افراد معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ باہم منسلک و متصل نظر آئیں ۔ ان کی دینی ، اخلاقی، سماجی،سیاسی و ثقافتی زندگی میں کہیں کوئی رخنہ نہ پڑے۔ اس لئے آپ نے جہاں اپنی میں نظم وضبط کو قائم کرنے کے لئے تعلیمات عطا فرمائیں وہیں ایسے اقدامات ومناہج بھی اختیار کئے جن سے معاشرتی نظم وضبط فروغ پاتا ہے--جن اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے ایک ایسامنظم معاشرہ وجود میں آیا جس کے عروج سے انجم سہمے جاتے تھے۔
عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے آپ کے اختیار کردہ امنہج واصول کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے نبوی منہج و مظاہر:

اہل عرب کا معاشرتی وسماجی پس منظر:

اہل عرب اسلام سے پہلے اپنی پوری تاریخ میں کبھی وحدت اور مرکزیت سے آشنا نہ ہوئے، بلکہ ہمیشہ ان پر نراج اور انارکی کا تسلط رہا۔ پوری قوم جنگجو اور باہم نبرد آزما قبائل کا ایک مجموعہ تھی جس کی ساری قوت و صلاحیت خانہ جنگیوں اور آپس کی لوٹ مار میں برباد ہوتی تھی۔ اتحاد، تنظیم، شعور قومیت اور حکم و اطاعت وغیرہ

جیسی چیزیں جن پر اجتماعی اور سیاسی زندگی کی بنیادیں قائم ہوتی ہیں، ان کے اندر یکسر مفقود تھیں۔ ایک خاص بدویانہ حالت پر صدیوں تک زندگی گزارتے گزارتے ان کا مزاج نراج پسندی کے لیے اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ ان کے اندر وحدت و مرکزیت پیدا کرنا ایک امر محال بن چکا تھا۔ خود قرآن کریم نے ان کو لفظ قوما لدا [56]کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس کے معنی جھگڑالو قوم کے ہیں۔اور ان کی وحدت وتنظیم کے بارے میں فرمایاکہ: لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِہِمْ[57]

اس ملک میں جہاں ہمیشہ سے ایک نراج سا چلا جارہا تھا ، ایک مرکزیت اور ایک تنظیم پیدا کی ۔ اور عربوں کو خانہ جنگی کے ذریعے سے اپنی توانائیوں کو ضائع کرنے سے روک کر اور انہیں اپنے زمانے میں دنیا کی سب سے بڑی فاتح اور نو آباد کار قوم بنا دیا اور ان کے ذہنوں سے احساس کمتری کو کلی طور پر دور کرکے ان میں وہ صحت اور جذبہ بھر دیا جسے احساس برتری یا احساس خود شناسی کہا جاسکتا ہے۔ [58]لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اپنی تعلیم و تبلیغ سے اس قوم کے مختلف عناصر کو اس طرح جوڑ دیا کہ یہ پوری قوم ایک بنیان مرصوص بن گئی۔ یہ صرف متحد اور منظم ہی نہیں ہو گئی، بلکہ اس کے اندر سے صدیوں کے پرورش پائے ہوئے اسباب نزاع و اختلاف بھی ایک ایک کر کے دور ہو گئے۔ یہ صرف اپنے ظاہر ہی میں متحد و مربوط نہیں ہو گئی، بلکہ اپنے باطنی عقائد و نظریات میں بھی بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہو گئی، یہ صرف خود ہی منظم نہیں ہو گئی، بلکہ اس نے پوری انسانیت کو بھی اتحاد و تنظیم کا پیغام دیا۔ اور اس کے اندر حکم و اطاعت دونوں چیزوں کی ایسی اعلیٰ صلاحیتیں ابھر آئیں کہ صرف استعارے کی زبان میں نہیں، بلکہ واقعات کی زبان میں یہ قوم شتربانی کے مقام سے جہاں بانی کے مقام پر پہنچ گئی۔ اور اس نے بلااستثنا دنیا کی ساری ہی قوموں کو سیاست اور جہاں بانی کا درس دیا۔ اس تنظیم و تالیف کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک بالکل اصولی اور انسانی تنظیم تھی۔ اس کے پیدا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو قومی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی تعصبات سے کوئی فائدہ اٹھایا نہ قومی حوصلوں کی انگیخت سے کوئی کام لیا، نہ دنیوی مفادات کا کوئی لالچ دلایا، نہ کسی دشمن کے ہوّے سے لوگوں کو ڈرایا۔ دنیا میں جتنے بھی چھوٹے بڑے مدبر اور سیاست دان گزرے ہیں، انھوں نے ہمیشہ اپنے سیاسی منصوبوں کی تکمیل میں انھی محرکات سے کام لیا ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان

چیزوں سے فائدہ اٹھاتے تو یہ بات آپ کی قوم کے مزاج کے بالکل مطابق ہوتی، لیکن آپ نے نہ صرف یہ کہ ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، بلکہ ان میں سے ہر چیز کو ایک فتنہ قرار دیا اور ہر فتنہ کی خود اپنے ہاتھوں سے بیخ کنی فرمائی۔ آپ نے اپنی قوم کو صرف خدا کی بندگی اور اطاعت، عالم گیر انسانی اخوت، ہمہ گیر عدل و انصاف، اعلاے کلمۃ اللہ اور خوف آخرت کے محرکات سے جگایا۔ یہ سارے محرکات نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ تھے، ا س وجہ سے آپ کی مساعی سے دنیا کی قوموں میں صرف ایک قوم کا اضافہ نہیں ہوا، بلکہ ایک بہترین امت ظہور میں آئی جس کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے۔كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ[59]ایک جھگڑالو قوم کو آپ □ نے ایک منظم قوم میں کس طرح تبدیل کیایہ انقلاب کن اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آیا وہ اصول درج ذیل ہیں:

۱۔ فریضہ رسالت کی ادائیگی: سب سے پہلا اصول جو ہر حالت میں پیش نظر رہا وہ یہ تھا کہ جس مشن اور مقصد کو لے کر آپ آئے اس کی اشاعت ہو ۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ [60] کیونکہ اس ی فریضہ رسالت کی ادائیگی ہی آپ □ کا زندگی کا مشن تھا۔ اور اگر اس مشن کی تکمیل میں مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے تو تنگ دل نہ ہوں۔ كِتَابٌ أُنْزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِنْهُ لِتُنْذِرَ بِهِ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ [61]آپ □نے مقصد جلیلہ کی تکمیل کے لئے ذاتی یا مالی منفعت اور خواہش انتقام کو نظر انداز کیا ۔ نبی کریم □ کی اسی خصوصیت کی جانب اللہ رب العزت یوں اشارہ فرماتے ہیں: [62] نبی کریم □کے اس دعوتی وتبلیغی مساعی کا ذکر اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں کرتے ہیں: إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ [63]

۲۔ منصوبہ بندی: رسالت مآب □ کی حیات طیبہ میں دوسرا اہم اصول منصوبہ بندی کا رہا ہے ۔ انبیاء علیہ السلام کبھی جلد بازی میں بغیر کسی حکمت وتدبیر سے کوئی کام انجام نہیں دیتے ،یہی اصول ہمیں اسوہ رسول □ میں نظر آتا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے یثرب بہت موزوں مقام تھا ۔ لیکن یہاں آباد اوس وخزرج کے قبائل کی باہمی خانہ جنگی اور یہودی قبائل کی مداخلت اور سیاست نے امن وامان کی صورت حال بہت دشوار اور پیچیدہ بنادی تھی ، اس لئے اس خطہ کو مرکز بنانے کے لئے بہت زیادہ غور وفکر اور طویل المعیاد اور قصیر

المیعاد منصوبہ بندیوں کی ضرورت تھی تاکہ ہجرت کے بعد یہاں کے داخلی و خارجی مسائل و مشکلات سے نمٹنے کے لئے مناسب لائحہ عمل تشکیل دیا جائے۔

رسول اللہ نے فوری طور پر دو باتوں کی طرف توجہ فرمائی۔ پہلی بات یہ ہے کہ یثرب کی اس وقت کی سیاسی و معاشرتی صورت حال اور خانہ جنگی کی وجہ بدامنی کی حالت میں اس وقت تک ہجرت نہیں کی جاسکتی جب تک وہاں کے بااثر قبائل کے ساتھ باقاعدہ کوئی معاہدہ نہ کرلیا جائے ۔ دوسرے یہ کہ اگر وہاں آباد بااثر قبائل کے لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ طے پا جائے تو پھر کسی ایسے معتمد صحابی کو بھیجا جائے جو نہ صرف یہ کہ دین کا گہرا فہم رکھتے ہوں اور وہاں رسول اللہ کے سفیر کی حیثیت سے بھی اپنے فرائض انجام دے سکیں ۔

آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں آکر بھی منصوبہ بندی کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت سے فیصلے کیے ۔ ان میں میثاق مدینہ ، مواخاۃ کے عمل ، مدینہ منورہ کے قرب وجوار میں رہائش پذیر قبائل کے ساتھ معاہدات اور مدینہ منورہ کے اطراف میں چھوٹی اور بڑی مملکتوں کے حکمرانوں اور سلطنتوں کے ساتھ سفارتی روابط کا مطالعہ کریں تو واضح طور پر نظر آئے گا کہ رسول اللہ نے ان تمام امور پر بہت غور وفکر اور باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ عمل درآمد کیا۔[64] یہ منصوبہ بندی اس لئے بھی ضروری تھی کہ ریاست میں اندرونی طور پر استحکام قائم ہو۔ کیونکہ کوئی بڑی سے بڑی سلطنت بھی جو سخت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو ، اکثر حقیر اور کمزور دشمنوں تک کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ تاریخ اسلام اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے ---رسول اللہ نے اوس وخزرج کی باہمی خانہ جنگی کو محبت و اخوت میں بدل دیا اور مہاجرین جو بیسیوں عرب قبائل سے تعلق رکھتے تھے ان کے مابین ہر طرح کی عصبیت کا خاتمہ فرماکر مدینہ میں ایک وفاقی وحدت قائم کردی اور ایک دستور مرتب فرماکر اس کے ذریعے ایک راعی ورعایا کے حقوق و فرائض کا تعین کردیا۔ اور پھر ان تمام تصادم و ضائع ہونے والی توانائیوں کو ایک مرکز پر لاکر ان سے مفید کام لیا،[65]

۳۔مقاصد کا تعین :انتظامی امور ، نظم مملکت ، آئین ، دستور ، احکام و قوانین کی تشکیل اور اداروں کے قیام کی صورت میں مقاصد کا تعین کرنا اور پھر ان کی نگہداشت کا اہتمام کرنا اسوۂ حسنہ کا حصہ رہا ہے ۔ اگر بغور جائزہ لیا جائے تو مقاصد کا گہرا تعلق منصوبہ بندی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے

۴۔ترجیحات کا تعین : ملکی وجغرافیائی حالات ، معاشرتی و سیاسی ضرورتوں اور ملی تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ ترجیحات کا تعین فرمایا کرتے تھے ۔ ترجیحات کے اصول کا اطلاق دعوت دین کے مختلف مناہج پر بھی ہوتا ہے ، مختلف معاشروں ، اور مختلف حالات میں یہ تعین کرنا پڑتا ہے کہ ان مخصوص حالات ، اور خاص مزاج و تہذیب کے لوگوں کے لئے کس قسم کا اسلوب دعوت زیادہ مناسب ہوگا بس وہی اسلوب ترجیح پاتا ہے۔[66] رسول اللہ نے بھی دین کی بنیاد پر ہی معاشرہ اور مملکت کی تشکیل کی ۔ آپ نے ایک بہترین صاحب بصیرت شخص کی مانند اپنی ترجیحات کا تعین کیا۔

۱۔ مکی دور کی ترجیحات : مکی دور اسلامی تاریخ کا بہت اہم دور ہے۔ وحی کا نزول اور نبوت کی ذمہ داریوں کا آغاز مکی دور سے ہی ہوتا ہے ۔ ایمان ، اخلاق، تزکیہ نفس اور تطہیر قلب کا اصل کام اسی دور میں ہوا۔ رسول اللہ نے ایمان واخلاق کی بنیاد پر تعمیر ملت کا فریضہ اسی دور میں انجام دیا ۔ امت کی تربیت و تنظیم کے لئے بہت سے امور انجام دیے، بہت سے اہم فیصلے کئے ۔لیکن دو امور ایسے تھے جنہیں ہر چیز پر ترجیح حاصل رہی ۔ ان میں سر فہرست امت کی تعلیم و تربیت تھی ، علم ودانش کو امت مسلمہ کے تمام افراد کے لئے خواہ مرد ہوں یا خواتین ، کم عمر ہوں یا جوان اور بوڑھے، سب کے لے فرض قرار دیا گیا۔ ارشاد نبوی ہے : ’’**طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم**[67]انسان کی فکر کو سنوارنے ، کردار کو نکھارنے اور عملی زندگی کو قانون واخلاق اور احکام الہٰی کے مطابق ڈھالنے میں تعلیم کا ہمیشہ بنیادی کردار ہا ہے ۔ اسی لئے وحی الہٰی کا پہلا سبق علم ہے ، علم اور حصول علم ہے کہ اس کے بغیر نہ عقائد درست ہوتے ہیں ، نہ عبادات صحیح طور پر ادا ہوتی ہیں ، نہ معاملات درست ہوتے ہیں۔ نہ ہی علم کے بغیر اجتماعی زندگی اور معاشرہ میں رہن سہن کا ڈھنگ آتا ہے۔[68]

دوسرا بنیادی فریضہ اصلاح فکر : رسالت مآب نے ترجیحی بنیادوں پر انجام دیا وہ اصلاح فکر اور اصلاح رویہ کا فریضہ تھا ۔ اصلاح فکر اور اصلاح رویہ کا تعلیم وتربیت کے ساتھ گہرا تعلق ہے ۔ علم کی روشنی میسر نہ ہو تو پھر نہ انسانی فکر کی اصلاح ہوسکتی ہے اوریہ تین ایسی مربوط کڑیاں ہیں کہ جن پر ایک مہذب معاشرہ تشکیل پاتا ہے ۔ ان میں سے کوئی ایک کڑی غائب ہوجائے تو معاشرہ بگاڑ اور زوال کا شکار ہوجاتا ہے۔

رسول □ نے اصلاح فکر کے ذریعہ انسانی رویہ کی اصلاح کے لئے اخلاقی اصولوں کا ایسا مجموعہ پیش فرمایا جن کے ذریعہ انسان کے ظاہر اور باطن دونوں کی اصلاح ہو جاتی ہے ۔رسول □ نے اخلاقی اصولوں کی تعلیم صحابہ کرام کو اس طرح فرمائی کہ ان کے نہ صرف یہ کہ باطن کا تزکیہ ہوا بلکہ ظاہری رویوں میں بھی بہت بڑی تبدیلی ہوگئی ۔ فضائل اخلاق لوگوں کے مزاج کا حصہ بن گئے ، ان کے رویے مکارم اخلاق کے مطابق ڈھل گئے ۔إِنَّ أَثْقَلَ شَيْءٍ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ، وَإِنَّ اللَّهَ يَبْغَضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءِ [69] اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرہ کا اصل ستون یہی ہیں، اسی لئے رسول □ نے اپنی زندگی میں انہیں ہمیشہ ترجیحی بنیادوں پر اہمیت دی ۔ [70]

۲۔ مدنی دور کی ترجیحات : مکی دور میں رسول اللہ □ نے علم اور ایمان واخلاق پر جو کام شروع کیاتھاوہ تو ساری زندگی تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔ رسول اللہ □ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہاں امن وامان کی صورت حال بہت خراب تھی ۔ مسلمانوں کی تعداد انصار و مہاجرین دونوں کو ملا کر بھی یہودیوں اور دیگر غیر مسلم قبائل کے مقابلہ میں بہت کم تھی ۔ رسول اللہ □ نے یہاں کی سیاسی ، معاشرتی اور معاشی صورت حالات کے پیش نظر کچھ فیصلے ترجیحی بنیادوں پر فرمائے ۔ پہلا اہم فیصلہ دستور مدینہ کا نفاذ تھا۔ رسول اکرم □ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد ایک مدبرانہ کوشش یہ فرمائی کہ مدینہ منورہ اور اس کے قرب وجوار میں رہائش پذیر تمام گروہوں کو (یہود ونصارٰی) خاص طور پر دعوت دی گئی کہ بعض مشترکہ اصولوں کی بنیاد پر مل جل کر رہنے اور باہمی تعاون پر تیار ہوجائیں۔ چنانچہ رسول اللہ□ کےتیار کردہ دستور پر مختلف قبائل و مذاہب کے لوگوں کو اکٹھا کرنے میں کامیابی ہوئی ، اس دستور کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ایک سیاسی وحدت قائم ہوگئی۔[71]رسول اللہ □ نے مدینہ منورہ میں یہودو منافقین کی تمام سازشوں کے باوجود دستور مدینہ کو جاری و نافذ کر کے ایک منظم اور کامیاب مملکت اور معاشرہ کا تجربہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور مختلف مذاہب کے لئے باہم امن کے ساتھ رہنے کا ایک مثالی نمونہ پیش فرمایا۔ دوسرا اہم ترین فیصلہ مواخاۃ کا عمل تھا ۔ اگرچہ مواخاۃ کا تجربہ مکی دور میں بھی ہوا تھا ، لیکن مکی دور کے مواخاۃ کے اسباب اور مقاصد بالکل مختلف تھے [72] رسول اللہ □ نے صحرائی وبدوئی تہذیب اور زرعی تہذیب و ثقافت کے فرق کو ختم کر نے کے لئے اور عقیدہ و اخلاق کی بنیاد پر نئی ایک تہذیب اجاگر کرنے کے لئے انصار ومہاجرین کے درمیان مواخاۃ

کرادی ۔ مواخات کی بنیاد انسانی اور مذہبی بنیاد پر رکھی گئی تھی جس کی بناء پر ہر قسم کی کے لسانی ، نسلی ، قبائلی تعصبات ختم ہوگئے ، نیز مسلمان ایک خدا ، ایک قرآن اور ایک رسول اور ایک کلمہ کے رشتے میں بندھ گئے اور مسلم برادری میں شامل ہوگئے ۔ کوئی یہ سوال نہیں کرتا تھا کہ تم کس قبیلے کے فرد ہو تم کس ملک کے باشندے ہو، تمھاری مادری زبان کون سی ہے ؟ تمھاری مالی حالت کیسی ہے ؟ حضور اکرمﷺ نے تمام تعصبات پاش پاش کردیے ۔ حضور اکر م ﷺ نے کسی انصاری سے عہد اخوت نہ باندھا تاکہ ان کی حیثیت غیر جانبدار رہے اور کسی انصاری مسلمان کے لئے رنجش کا باعث نہ ہو۔

۳۔تدریج : تدریج کا اصول عہد رسالت کے فیصلوں میں نمایاں نظر آتا ہے ۔ اس اصول کے اطلاق کا مقصد یہ تھا کہ معاشرہ میں قانون سازی کے عمل یا نئے تصورات وتغیرات کو متعارف کرانے میں تدریج کے اصول کو پیش نظر رکھاجائے تاکہ لوگ نہ صرف یہ کہ فکری طور پر اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہوجائیں بلکہ عملی طور پر بھی اس کے نفاذ یا قیام میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔[73]قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے دعوت میں تدریج کا اصول سب سے نمایاں ہے۔ تدریج میں ماحول اور معاشرہ دونوں کے لئے دیر پا منافع ہیں ۔ آپ ﷺ نے مختلف احکامات کا نفاذ یکبارگی نہیں کیا۔ بلکہ پہلے اس کے لئے ذہن سازی کی، بعد میں ایسا ماحو ل فراہم کیا جہاں پر ان احکامات پر عمل ہوسکے ،بعد ازاں آپ ﷺ نے احکامات کا نفاذ کیا۔ اس سلسلے میں شراب کی حرمت کے احکامات بطورمثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر رخصت فرمایا تو انہیں تلقین کی کہ وہ تدریجا احکامات نافذ کریں۔[74] آپ ﷺ کی اس نصیحت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عوام الناس کو یکبارگی کسی چیز کا پابند بنایا جائے تو وہ اس چیز کو قبول کرنے میں تساہل و غفلت برتیں گے۔ لیکن اگر انہیں کسی حکم کا پابند بنانا ہے تو تدریج ایک بہترین اصول ہے۔

۴۔تیسیر : شریعت انسانی مزاج ، احساسات اور قوت و استطاعت کا خیال رکھتے ہوئے احکام عطا کرتی ہے ۔ شریعت کے عطا کردہ احکام وقوانین اور دیگر فیصلوں میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اہل ایمان کے لئے کوئی ایسا حکم جاری نہ کیا جائے جس کو پورا کرنا یا جس پر عمل کرنا انسانی استطاعت سے باہر ہو۔ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ [75] وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ [76] اسلام دین یسر ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

[77]حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَأَبْشِرُوا، وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ[78]حدیث نبوی ﷺ ہے: یسرا ولا تعسرا، بشرا ولا تنفرا[79] شریعت نے عبادات میں بھی عوام الناس کی سہولت کا خیال رکھا ہے اسی لئے فقہا کرام نے یہ قاعدہ فقہیہ بنایا ہے ۔ المشقۃ تجلب التیسیر [80] مشقت سہولت پیدا کرتی ہے ۔ فقہاء کرام نے قرآن کریم کی مذکورہ آیات اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں بطور اصول یہ کلیہ پیش کیا ہے کہ قانون سازی ، احکام اور حکومتی فیصلوں میں مفاد عامہ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

عوام الناس کو نظم وضبط پابند بنانے کے نبی کریم ﷺ نے یہ منہج واصول اختیار فرمائے۔ جس کے باعث مدینہ آنے کے چند ہی ہفتوں کے اندر ہم دیکھتے ہیں کہ اس شہر کی کایا پلٹ ہوگئی۔یہاں کی قدیم آبادی میں جو خانہ جنگی اور چومکھا لڑائی ہورہی تھی وہ ختم ہوگئی ۔[81] یہ انسانیت کی فرمانروائی ، خدائی راج کی آئین پسندی تھی، جس میں ہر حاجت مند فرد رعیت کو حکومت روٹی مہیا کرتی ، اور کسی کی آزادی عمل میں کوئی رکاوٹ ڈالے بغیر اجتماعیت کا مظاہر ہ کرتی تھی ، جس میں حکومت اور رعایا ایک ہی چیز تھے ۔ چنانچہ دونوں ایک دوسرے کے ظاہر وباطن میں بہی خواہ و معاون تھے۔[82] جس کے نتیجہ میں پہلی اسلامی فلاحی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔مدینہ میں اسلام کا پید اکردہ جذبہ اخوت و محبت اس قدر پختہ ہوگیا کہ اس اجتماع نے تصادم ، تعصب اور نفرت کی راہ اختیار نہیں کی بلکہ باہمی تعاون مخلصانہ تعلقات اور جذبہ ایمانی کی وجہ سے بہت جلد معاشی مسائل اور معاشرتی مسائل پر قابو پالیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دو تہذیبوں کے افراد کی اس طرح تعلیم و تربیت فرمائی کہ صدیوں کے اختلافات دنوں میں مٹ گئے۔انسانی معاشرہ کی مستحکم بنیادوں پر تنظیم کے لئےصرف احکام و قوانین کا نفاذ یا عدلیہ کا قیام ہی کافی نہیں بلکہ لوگوں کے علمی وفکری معیار کو بہتر بنانا اور انسانی رویہ میں مثبت ، تعمیری اور تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا بھی ضروری ہے ۔[83]

اسلامی ریاست ایک ایجابی ریاست ہے : اسلامی ریاست ایک ایجابی ریاست ہے جس کامقصد نہ صرف برائیوں سے روکنا، حقوق کا تحفظ کرنا ، دفاع کرنا اور ریاستی امور انجام دینا ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد بدی کا قلع قمع کرنا، فواحش ومنکرات کی تمام صورتوں کا سد باب کرنا ، تربیت و تزکیہ کا فرضہ انجام دیناوغیرہ بھی شامل ہیں ۔

حدیث مبارکہ ہے: أمرني ربي بتسع خشية الله في السر والعلانية وكلمة العدل في الغضب والرضى والقصد في الفقر والغنى وأن أصل من قطعني وأعطي من حرمني وأعفو عمن ظلمني وأن يكون صمتي فكرا ونطقي ذكرا ونظري عبرة وآمر بالعرف[84]
یہ نو باتیں اسلام کے حسن معاشرت کا اصل ہیں اور معاشرتی نظم واستحکام کے وہ تمام اصول اس حدیث مبارکہ میں بیان فرمادئیے گئے ہیں جن سے ایک مستحکم و منظم نظام وجود میں آسکتا ہے۔ فتنہ وفساد جن چیزوں سے پھیلتا ہے ان میں سے کچھ ایسی چیزیں ہیں جنہیں ہر شخص کھلے طور پر فتنہ وفساد ہی خیال کرتا ہے ۔ جیسے قتل وغارت گری ، غنڈہ گردی، ڈاکہ زنی ، اغوا، بد کاری ، چوری ، دھوکہ ، فریب وغیرہ اور کچھ ایسی ہیں ظاہرافتنہ وفساد معلوم نہیں ہوتیں مگر ان کی وجہ سے بڑے بڑے فساد جنم لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے اجتماعی نظم کے موجبات پر زور دینے کے ساتھ ان عوامل سے باز رہنے کی ہدایات فرمائیں جن سے اسلامی معاشرہ میں داخلی جنگ ، بد نظمی ، اختلاف و انتشار اور تقسیم و تفریق کی صورتیں پیدا ہوئیں ۔ اجتماعی نظم دو طرح خراب ہوسکتا ہے ۔ ۱۔افراد مرکزی نظم حکومت سے جنگ کے لئے تیار ہوجائیں۔ ۲۔ افراد آپس میں جنگ و پیکار پر کمربستہ ہوجائیں۔ پیغمبر اعظم ﷺ نے دونوں صورتوں کے متعلق ہدایات جاری فرمائیں۔ جماعتی نظم کے قیام کا حکم دیا اور اختلاف کی ہر ایک صورت سے باز رہنے کا حکم جاری فرمایا ۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓسے عہد لیا کہ وہ معاملات حکومت میں علمبرداری کے ساتھ کام کرینگے اور امیر حکومت کے خلاف محاذ جنگ قائم نہیں کرینگے۔ جب تک کہ وہ اسلام کے قانون کے مطابق امیر ہے اور اس سے کھلا ہوا کفر ظاہر نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے ایسی تعلیمات فرمائیں جن سے لوگوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض وعداوت ، انتشار وفساد ، بد نظمی و اختلاف پروان چڑھے۔ آپ ﷺ نے جو ہدایات فرمائیں وہ درج ذیل ہیں :۱۔ مسلمان وہ ہے جس کےہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ [85] ۲۔ مسلمان آپس میں بد گمان نہ ہو۔۔سب کے سب خدا کے بندے بن کر رہیں۔[86]رسول اللہ ﷺ نے ان تعلیمات اور دیگر بہت سی تعلیمات وہدایات کے ذریعے منتشر قوم کو ایک منظم و متحد امت بنا ددیا۔ نفاق،کینہ وحسد، بغض وعداوت ، لالچ وحرص ، ملک وقوم سے بے وفائی اور اندر ہی اندر دشمنوں سے سازشیں یہ چیزیں ایسی ہیں جو انسان کے اخلاق پر اثر انداز ہو کر اسے اخلاقی طور پر درندہ، چوپایہ اور حیوان بنادیتی ہیں جس کی

بناء پر انسان شرم و حیا سے عاری کر فتنہ وفساد کو ہوا دیتا ہے۔ اور اپنے طور پر خود کو مصلح اور امن پسند قرار دے کر جرم وگناہ کے شجر ممنوعہ کی آبیاری کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں فتنہ وفساد ملک کا آئین قرار پاتا ہے۔ اور جرائم کی شدت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ پھر قانون شکنی کو قانون سازی ، لاقانونیت کو قانون اور شر وفساد کو اصلاح کہتے ہیں۔ پھر ایسی صورت میں نفاذ قانون کے تمام ادارے اور نظم وضبط کے سارے محافظ بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں ،نہ کوئی پولیس ایکشن کامیاب ہوتا ہے اور نہ ہی فوج کا کوئی آپریشن نتیجہ خیز ہوسکتا ہے۔ [87] نیز آپ ﷺ نے معاشرتی نظم کو برقرار رکھنے کے لئے تعلیم وتربیت اور تزکیہ و اصلاح کے زریں اصولوں کے ساتھ ساتھ ایسے تمام تادیبی اقدامات بھی کئے جن سے ایسے تمام عوامل وعناصر کی بیخ کنی کی جائے جو معاشرے کے نظم ، استحکام ، امن وسکون کو تہہ بالا کرتے ہیں ۔ آپ ﷺ نے ایسے تمام مجرموں کو سخت ترین شرعی سزائیں دیں کہ جن سے افراد معاشرہ کے حقوق پر زد پڑتی ہو۔ کیونکہ اگر معاشرے میں سزا کا نفاذ ریاستی سطح پر نہیں ہوگا تو پھر ہر مظلوم اپنے حق کے لئے خود قانون شکن بن جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ [88] یعنی ثبوت جرم کے بعد مجرم پر پوری سزا عائد کی جائے کسی قسم کی نرمی نہ برتری جائے ۔ کیونکہ سزا معاشرے کا اجتماعی حق ہے۔

عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے ریاستی نظام کی ناگزیریت:

اجتماعیت کے نقطہ کمال اور اس کی آخری منزل ایک حکومتی نظام کا قیام ہے ۔ یہ نظام خود تو مطلوب نہیں لیکن عملی طور پر انسانی معاشرے کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ کیونکہ جس طرح یہ ایک حقیقت ہے کہ نوع انسانی کے افراد اپنی فطری طلب کے تحت اکٹھے ہو کر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کا جتماعی زندگی کا گزر بسر کچھ ایسے مسائل پیدا کر دیتا ہے جن کے لئے قوت نافذہ کا ہونا انتہائی ناگزیر ہے۔ کیونکہ جہاں معاشرے میں خیر کی قوتیں ہوتی ہیں وہیں بہت سے قوتیں شر کے فروغ میں بھی اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ اس لئے معاشرے سے فسق وفجور ، شر وفساد، منکرات و فواحش کے خاتمے اور عدل وانصاف کے قیام ، بنیادی حقوق کے تحفظ اور امر بالمعروف کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے ریاست کا وجود شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانی زندگی کے معاملات کو بہتر انداز میں چلانے کے لئے مختلف

اداروں کے قیام کی ضرورت ہوتی ہے ۔ بعینہ ایک ریاستی نظم کی ضرورت بھی ہوتی ہے ۔ بلکہ حدود اللہ کا قیام تو ریاست کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد آپ نے بہت سے اقدامات کئے تاکہ یہاں باقاعدہ ایک منظم حکومت قائم ہوسکے اور ملت اسلامیہ میں مستحکم اجتماعیت اور مضبوط وحدت بھی قائم ہوسکے ۔ اس سلسلے میں رسول اللہ نے جہاں کئی نے اقدامات کئے وہیں دو قدیم سیاسی اداروں کوبھی برقرار رکھا جو عرب معاشرے میں بہت زیادہ اہمیت رکھتے تھے ۔ عرفاء اور نقباء کے ذریعہ حکومت کا عام لوگوں سے تعلق برقرار رہتا تھا اور یہ نمائندے اپنے اپنے حلقے کے لوگوں کے حالات وضروریات سے حکومت کو باخبر رکھا کرتے تھے۔ مختصر تعارف درج ذیل ہے ۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہم سمجھ سکیں کہ آپ نے نظم وضبط کی پاسداری کروانے کے لئے ریاست کو کن خطوط پر استوار کیا۔ عرافہ : عہد رسالت میں یہ ایک اہم معاشرتی ادارہ تھا اس نظم سے وابسطہ فرد عریف کہلاتا تھا جو ایک چھوٹے حلقے کی نمائندگی کرتا تھا۔ ۔۔تجربہ کار ذہن اور صاحب ثروت شخص کو عریف مقرر کیا جاتا تھا جو نہ صرف اپنے حلقے کے لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کر سکتا ہو بلکہ دیگر قبائل اور جماعتوں کے ساتھ تعلقات اور معاملات میں اپنے حلقہ کے لوگوں کے حقوق کی حفاظت بھی کرسکے ۔ [89]ابن حجر عریف کے حوالے سے لکھتے ہیں : جب ہر جماعت میں عریف مقرر ہوتا ہے تو ا نہیں منکرات کے ارتکاب کی گنجائش نہیں ہوتی ، بلکہ پابندی سے قانون پر عمل کرتے ہیں ۔ [90] اس سے معلوم ہوتا ہے عریف اپنے حلقے کے لوگوں کے حقو ق کی نگہبانی بھی کرتا ہے اور لوگوں سے قانون پر عمل درآمد بھی کراتا ہے نیز اس دور میں لوگوں کو اخلاقی اقدار سے آگاہ کرنے اور انہیں ان کے فرائض کا احساس دلانے کا فریضہ بھی یہی عریف انجام دیتے تھے۔ یہ ادارہ عہد نبوی کے بعد بھی قائم رہا۔ بخاری شریف کی ایک روایت سے اس بارے میں استدلا ل ہوتا ہے ۔ روایت ہے کہ ابو جمیلہ نے حضرت عمرؓ کے پاس ایک مقدمہ پیش کیا اور عرض کیا کہ مجھے ایک نومولود بچہ پڑا ہوا ملا ہے ۔ میں نے پرورش اور تربیت کے لئے اسے اپنے پاس رکھ لیا ہے لہذا بیت المال سے اس بچہ کا روزینہ مقرر فرمادیجئے ۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص کو مشکوک سمجھاتواس کے عریف نے اس کی صفائی پیش کی عریف کی تصدیق پر حضرت عمرؓ نے اس بچہ کا روزینہ مقرر فرما دیا اور ابو جمیلہ کی دیانت وصداقت کا بھی اعتبار کر لیا۔ [91] اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرافہ چھوٹے حلقوں پر مشتمل

ایک مربوط و منظم سیاسی و معاشی ادارہ تھا جن کے ذریعے افراد معاشرہ کے احوال و مسائل سے بھی باخبر رہا جاتا تھا ، مسائل کے واصلاح و تزکیہ کا کام بھی مؤثر انداز میں اس ادارے کے ذریعہ تکمیل پاتا تھا۔ عصر حاضر میں رائج جمہوری نظام اور عہد رسالت کے نظام عرافہ میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے لیکن افسوس یہ ہے ہمارے قائدین ، کونسلرز، ناظمین وغیرہ لوگوں کی اخلاقی تربیت اور انہیں قانون آگاہی فراہم کرنے اور اس پر عمل در آمد کروانے سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے سیاسی اداروں کا عہد رسالت کے نظام حکومت و ریاست کی روشنی میں جائزہ لیں۔ تاکہ امت مسلمہ کی تربیت وتعمیر از سر نو ممکن ہوسکے۔ نقابہ: عہد رسالت کا دوسرا سیاسی و معاشرتی ادارہ نقابہ تھا۔ اس کا حلقہ اثر و حقوق وفرائض عرافہ کی نسبت زیادہ تھے۔ یہ ملکی وقومی سطح پر نمائندگی کرتا تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر آپ نے مدینہ میں بارہ نقیبوں کا تقرر فرمایا۔[92] عہد رسالت میں ان نقیبوں کی ذمہ داری و فرائض یہ تھے کہ وہ لوگوں کے باہمی جھگڑوں اور اختلافات کا تصفیہ کروائیں، ان کے احوال و مسائل سے آگاہ ہوں ، ان کے مسائل سربراہ حکومت تک پہنچائیں تاکہ وہ ان کے مسائل کا بہتر انداز میں حل کر سکیں۔ رسول اللہ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر ان نقیبوں کو فرائض اس طرح بیان کئے۔ تم اپنی قوم کے معاملات کے اس طرح ذمہ دار ہو جس طرح عیسیٰ بن مریم کے حواری ذمہ دار تھے اور میں بھی اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں ، لوگوں نے اقرار کیا اور کہا کہ ٹھیک ہے ۔[93]اس بیان سے صراحت ہوتی ہے کہ ہر قسم کی معاشرتی اور سیاسی معاملات کی ذمہ داریاں ان نقیبوں کے سونپی گئیں تھیں۔ یہی لوگ قانون پر عملدر آمد کرواتے تھے اور یہی لوگ حکومت کے مشیر خاص بھی ہوتے تھے ۔ حکومت کی سمع واطاعت کی نگرانی بھی یہی نقیب کرتے تھے لیکن سب سے اہم فریضہ جو یہ نقباء انجام دیتے تھے وہ تربیت اور تہذیب نفس کا فریضہ تھا، یہی لوگ اپنے حلقہ اثر میں لوگوں کی اخلاقی تربیت اور تزکیہ نفس کے لئے بھرپور جدوجہد کرتے تھے۔[94]حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ نے ایک عظیم الشان منصب اور اہم عہدوں پر فائز حکام ، سفراء وامراء سب کو اسلامی نظم حیات کی اشاعت اور لوگوں کی تربیت وتزکیہ کا فریضہ انجام دینے پر مامور کردیا تھا ۔ یہ تمام افراد معلمین ا خلاق کی حیثیت رکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ بہت جلد معاشرہ میں اخلاقی قدروں کو بالادستی حاصل ہوگئی تھی، اور مجموعی طور پر معاشرہ کا سارا نظم قانون و اخلاق کا پابند ہوگیا تھا۔[95] حکومت کی تشکیل ایک منظم قوم

کی تشکیل پر منحصر ہے ۔ دنیا میں حکومت قائم کرلینا آسان ہے ، لیکن ایک قوم کا بنانا مشکل ہے اور ایک بڑی قوم کا بنانا اور بھی دشوار ہے ۔

نتائج تحقیق: رسول اللہ نے اپنے فریضہ نبوت کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ایک منتشر ، غیر منظم اورژولیدہ فکر قوم کو ایک منظم قوم میں بدل دیا۔ آپ نے بنی نوع انسان کے قلوب واذہان اور سماجی وسیاسی میں جوانقلاب برپا کیا کہ وہ اسفل السافلین سے اوج ثریا سے ہمکنار ہوئے۔ آپ کے اس عہد ساز انقلاب کے نمایاں نکات کومختصر یوں بیان کیا جاسکتا ہے ۔

١۔ تطہیر فکرو تزکیہ نفس: فریضہ نبوت کی ادائیگی کرتے ہوئے انہیں وحدانیت کا درس دیا۔ ان میں آخرت کی فکر اس قدر پیدا فرمائی کہ ہر شخص خود کو اس مسئولیت کے لئے تیار کرنے کی فکر میں سرگرداں ہے ۔ اس کے ظاہری وباطنی افعال و اعمال صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے مختص ہوگئے۔ ٢۔ اصلاح اخلاق:آپ کی بعثت کا مقصد اعلیٰ اخلاق کی تکمیل بھی ہے ۔ اسلئے آپ نے ایسی اخلاقی تعلیمات پیش فرمائیں کہ جس میں ایجابی وسلبی دونوں پہلو موجود تھے۔ آپ کی اخلاقی تعلیمات کی تفصیلات کے لئے کئی صفحات درکار ہیں ،مختصر یہ کہ ان اخلاقی تعلیمات کے نتیجے میں اخلاق سے عاری قوم معلم اخلاق بن گئی۔انہیں فضائل اخلاق اپنانے پر اجر وثواب ، جنت کی بشارتیں دیں تاکہ ان میں نیکی کی آبیاری کا جذبہ پیدا ہوا۔ جب ایک صالح جماعت کا قیام عمل میں آگیا تو آپ نے ایک ریاست کی تشکیل کی۔

٣ ۔ ریاست کا قیام : آپ نے ابتدائی طو ر جب لوگوں کی فکر واخلاق کی اصلاح فرمالی تو پھر ایک ریاست کا قیام عمل میں لائےتاکہ یہ صلحاء کی جماعت ان احکامات پر عمل پیرا ہو جو ایک منظم ومستحکم معاشرت کے لئے ضروری ہیں۔ آپ اس مقصد کے لئےمختلف اداروں اور شعبہ جات کا قیام بھی عمل میں لائے۔ قوانین کا نفاذ فرمایا ۔ اس لئے کہ جو لوگ ترغیب کے باوجود نیکی کی رغبت نہیں رکھتے اور فتنہ وفساد کوفروغ دے کر ریاستی نظم و ضبط کو پامال کرتے ہیں ، معاشرے میں انتشار پھیلاتے ہیں انہیں سزائیں دی جائیں۔ حدود وعقوبات کا نفاذ ریاستی و معاشرتی نظم و ضبط کے لئے انتہائی ناگزیر ہے۔ آپ نے یہ تمام کام ایک منصوبہ بندی و تدریج سے انجام دیا۔ جس میں ہر پہلو دوسرے پہلو سے منسلک تھا۔ یعنی آپ نے فکر واخلاق کی اصلاح کے بعد ریاست کی تشکیل اور پھر قوانین کا نفاذ عمل میں لایا۔ اس میں بھی آسانی اور خیر خواہی کو

ملحوظ رکھا۔ رسول اللہ نے ایک دوسرے کی خیر خواہی کو دین کی اصل بنیاد قراردیا ہے ۔ تاکہ انسان ایک دوسرے سے ہمدردی، تعاون ، خیر طلبی ، ایثار وقربانی سے پیش آئیں ۔آپ نے فر مایا: الدین النصیحۃ[96]

النصیحۃ کا لفظ انتہائی بلیغ ہے جس سے معاشرے میں بھلائیاں فروغ پاتی ہیں،اور شر وفساد کے تمام سوتے خشک ہوجاتے ہیں۔ نیز افراد امت پر کوئی تکلیف وحرج واقع نہ ہو۔ لوگ دین سے متنفر نہ ہوں بلکہ دین اسلام کے نظم سے وابستہ رہنا ہی ان کی متاع حیات ہو۔ آپ نے اپنی ۲۳سالہ تبلیغی واصلاحی مساعی کا لب لباب خطبہ حجۃ الوداع میں پیش فرمایا جس میں تکریم انسانیت سے لے کر ہر طرح کے تعصبات کا خاتمہ فرماکر امت واحدہ اور اخوت کا درس دیا۔ یہ وہ منشور جو محسن انسانیت نےدنیا کو دیا۔ جس میں تقوٰی پر مبنی عالمیگیر اخوت اور ایک بین الاقوامی وحدت کی بنیاد فراہم کر دی گئی تھی کہ جس کے سہارے ایک ایسی ملت معرض وجود میں آئی جو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند تھی۔ اور ایک ایسی عمارت کی طرح جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو طاقت دے رہی ہو ۔ اور ایک جسم کی مانند جس کے تمام اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ درد اور آرام میں برابر کے شریک ہوں ۔

عصر حاضر میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند کرنے کے لئے تجاویز:

۱۔ عوام الناس کی فکری واخلاقی اصلاح کے لئے مسجد کی قرون اولیٰ والی حیثیت کو برقرار رکھا جائے۔ ۲۔ایسا ماحو ل پیدا کیا جائے کہ مسلمانوں میں عبادات کی ادائیگی کا زیادہ سے زیادہ جذبہ پیدا ہو کیونکہ یہ نظم وضبط کا پابند بنانے کا ایک اہم ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ انتشار پھیلانے والی قوتوں کا سد باب بھی کرتا ہے۔ ۳۔ نصاب تعلیم ایسا وضع کیا جائے جن سے اخلاق حسنہ کی ترویج اور رغبت پیدا ہو۔ ۵۔ ذرائع ابلاغ کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ عوام الناس کی اصلاح کے لئے موثر کردار ادا کرے۔ ٦۔ اچھے کام کرنے پر حکومت کی جانب سے کوئی انعامات دئے جائیں تاکہ عوام الناس کو ترغیب ملے۔ ٦۔ عدل و انصاف اور بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جائے کیونکہ عدل وانصاف کی عدم فراہمی ہی بد نظمی وانتشار کو جنم دیتی ہے۔ ۷ ۔ با صلاحیت اور اہل افراد کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق عہدے اور نوکریاں دی جائیں ، رشوت اور سفارش کو قبول نہ کیا جائے،کسی کا استحصال نہ کیا جائے کیونکہ استحصالی معاشرہ فساد وتخریب کوپروان چڑھاتا ہے۔ ۸۔ قوانین کا نفاذ یقینی بنایا جائے

اور اس میں کسی قسم کی جانبداری اور سفارش کو خاطر میں نہ لایا جائے۔۹۔ مجرموں کو سخت سزائیں دی جائیں۔تاکہ لوگوں کو نصیحت وعبرت حاصل ہو ۔ ۱۰۔ہر طرح کی عصبیت کا خاتمہ کیا جائے ۔ ملت واحدہ کا ایسا تصور پیش کیا جائے جو پورے معاشرے کو ایک جسم کے نظام کی مانند مربوط کر دیں۔
ملت کے مذہبی قائدین اور دینی زعما ء کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ قوم کی اجتماعی فلاح و بہبود ، ترقی اور نشووارتقاء کے ضمن میں جو نئے اور تازہ علوم وافکار انہیں سوجھیں ان کو وہ برسر عام لوگوں کے سامنے لاتے رہیں اور عوامی سطح پر ان اصولوں کی حمایت پر کمربستہ رہیں ۔ اسی بناء پر یہ بھی ضروری قرار پاتا ہے کہ اسلامی ریاست کا ہر باشندہ تقریری اور تحریری ذرائع سے اپنی آراء کا اظہار کرتا رہے ۔ مگر یہاں اس امر کا خیال رہے کہ حریت رائے کا یہ حق تخریبی مقاصد کے لئے استعمال نہ کیا جائے تاکہ اسلامی قانون کا تمسخر اڑانے یا اسلامی بنیادوں پر استوار ایک اسلامی حکومت کے خلاف لوگوں کو اکسانے کے راستے مسدود ہوسکیں ۔ فطری طور پر پریس اور ذرائع ابلاغ بھی اسی آزادی کو استعمال کرنے کا حق رکھتے ہیں ، تاہم اس آزادی کا استعمال اس طور پر نہ کیا جائے کہ تہذیب وشائستگی کہ قدریں پامال ہوں کیوں کہ یہ امر مسلمہ طور پر آداب تمدن وشہریت کے منافی ہے۔ [97] لہذا ایسے تمام عناصر کی بیخ کنی کی جائے اور ایسے تمام اقدامات کا سد باب کیا جائے جو نظم و ضبط کو پامال کرنے والے اور فتنہ وفساد کو فروغ دینے والے ہوں۔غرضیکہ حضور اکرم کی حکمت اصلاح معاشرہ کی اجتماعی زندگی میں انسانوں کو وہ استقلال اور استحکام عطا کرتی ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو ایک مضبوط اور منظم ہئیت اجتماعی کا قیام عمل میں آتا ہے ۔ کہ جس کا ہر حصہ اور جزآپس میں اس طرح مربوط و منسلک ہوتا ہے جیسے ایک دیوار کے داڑھے آ پس میں ملے ہوتے ہیں[98] حدیث مبارکہ ہے: إِنَّ المؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا» وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ[99] حکومت کی تشکیل ایک منظم قوم کی تشکیل پر منحصر ہے ۔
دنیا میں حکومت قائم کرلینا آسان ہے ، لیکن ایک قوم کا بنانا مشکل ہے اور ایک بڑی قوم کا بنانا اور بھی دشوار ہے لہذاآپ کی اس معاشرتی و سیاسی حکمت عملی اور اخلاقی تعلیمات کے اس قدر دور رس اثرات نمودار ہوئے کہ جس سے نہ صرف طبقاتی منافرت کا خاتمہ ہوا بلکہ ہر فرد شریعت وقانون کی پابندی خلوت وجلوت ہر جگہ کرنے لگا۔ اور ان کا اپنا ضمیر پولیس و قاضی کا کردار ادا

کرنے لگ گیا۔ آ ج بھی اگر ہم ایک منظم ریاست کا قیام عمل میں لانا چاہتے ہیں تو ہمیں اسی نبوی منہج وتعلیمات کو اپنانا ہوگا جو تا ابد ذریت آدم کوچشمہ صافی کی مانند سیراب کرتی رہیں گی۔

حوالہ جات وحواشی

1.الروم:۴۱
2- الانبیاء:۲۲
3- محمد حمید اللہ ، ڈاکٹر ،عہد نبوی میں نظام حکمرانی ، ، کراچی ، اردو اکیڈمی ، ۱۹۸۷ء ص: ۱۲۵
4- یوسف:۴۰
5- الانعام :۶۲
6- المومن :۱۲
7- خالد علوی، ڈاکٹر ، اسلام کا معاشرتی نظام ، الفیصل ناشران وتاجران کتب ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص:۲۸۵
8- بخاری ، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح ، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، ج:۳، ص:۱۲۰، حدیث نمبر:۲۴۰۹
9-اسلام کا معاشرتی نظام ، ص:۲۷۹
10- اسلام کا معاشرتی نظام، ص:۲۸۲
11-ایضا ، ص: ۲۸۳
12- حامد انصاری ، مولانا، اسلام کا نظام حکومت ، لاہور ،الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار،۱۹۹۹ء، ص:۲۷۵-۲۷۶
13- اسلام کا معاشرتی نظام ،ص: ۲۸۶
14- ایضا، ص: ۳۰۳
15- اسلامی ریاست اور مسلم طرز حکومت ، ص:۱۳۷
16- غلام رسول ، پروفیسر، اسلام کا سیاسی نظام ، لاہور ، غلام رسول اینڈ سنز، ۲۰۱۲ء،ص:۵۹
17- الحدید:۲۵
18 - الحجرات:۹
19- النساء:۱۳۵
20- النساء:۵۸
21اسلام کا معاشرتی نظام ِ ص: ۲۹۱ .
22- المائدہ:۳۲
23- مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري،الجامع الصحیح للمسلم، دار إحياء التراث العربي – بيروت،ج:۴، ص:۱۹۸۶، حدیث نمبر:۲۵۶۴
24الحجرات : ۱۱تا ۱۳
25- بخاری و مسلم ، سنن ابی داؤد
26- ترمذی
27- النور:۲۹

28- ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الادب ، باب :نہی عن التجسس، ج:۴، ص:۲۷۲، حدیث نمبر:۴۸۸۸
29- اسلام کا معاشرتی نظام، ص: ۲۹۷
30- اسلامی ریاست ، لاہور ،ص:۱۶
31- مشکوٰہ، باب مناقب ابو بکرؓ
32- اسلام کا معاشرتی نظام ، ص:۲۹۶
33- الحجرات:۱۳
34- ۔ فاروقی ، عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل، لاہور، اظہار القرآن ، ۲۰۱۲ء، ص:۱۳۳
35-البقرہ:۱۲۹
36- البقرہ : ۱۷۷
37- الفرقان :۶۳۔ ۶۸
38- عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل، س:۲۶۰۔۲۶۱
39-البقرہ:۲۰۸
40- البقرۃ؛۱۴۴
41- بخاری ، کتاب الصلوۃ باب: بَابُ وُجُوبِ صَلاَةِ الجَمَاعَةِ، ج:۱، ص:حدیث نمبر ۶۴۶
42بخاری ،کتاب الصلوۃ،إِقَامَةُ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلاَةِ، ج:۱، حدیث نمبر:۷۲۳، ۷۱۸،صحیح مسلم ، حدیث نمبر :۴۲۳، ابو داؤد:۶۶۷
43- ابن ماجہ،محمد بن یزید ابن ماجہ ، سنن ابن ماجہ،کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیھا، حدیث نمبر:۹۱۸
44- النساء:۱۰۳
45- الجمعہ:۹
46- بخاری ،کتاب الصلاۃ، بَابُ الصَّلاَةِ فِي البِيعَةِ،ج:۱، ص:۹۴
47- سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب: بَابُ مَتَى يُؤْمَرُ الْغُلَامُ بِالصَّلَاةِ، حدیث نمبر:۴۹۴
48البقرہ:۱۴۳
49- صحیح مسلم ، کتاب :الایمان ، باب:الدعاء الشھادتین ،حدیث نمبر:۱۹
50- النساء: ۱۰۲
51- عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص: ۲۴۴۔ ۲۴۵،
52 عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص: ۲۴۵
53- الصف:۴
54- البدایہ و النہایہ ، ج:۶، ص:۳۱۵
55- سنن داقطنی، عن ابن عمر
56، مریم:۹۷
57- الانفال:۶۳
58- محمد حمید اللہ ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، کراچی ، اردو اکیڈمی ، ۱۹۸۷ء، ص:۱۳۱۔۱۳۲

59- آل عمران :۱۱۰
60- المائدہ:۶۷
61- اعراف :۲
62- عہد نبوی میں نظام حکمرانی ، ص: ۲۴۱
63- آل عمران :۱۵۳
64- ، عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل ، ص: ۵۹۔۵۸
65- ماخوذ از: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ، ص: ۲۴۳ ۔۲۴۱
66- ۔ عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل ، ص: ۶۴۔۶۳
67- أبو حنيفة النعمان بن ثابت، مسند ابی حنیفہ،الاداب ۔مصر، س۔ن، کتاب العلم
68- عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل، ص: ۶۷۔۶۶
69- معمر بن أبي عمرو،لجامع (منشور كملحق بمصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بباكستان، وتوزيع المكتب الإسلامي ببيروت،1403 ه،ج:۱۱، ص:۱۴۶، باب : حسن خلق ،حدیث نمبر:۲۰۱۵۷
70- عہد رسالت میں معاشرہ اور ممکت کی تشکیل، ص: ۶۸۔۶۷
71 ۔ محمد حمید اللہ ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی ، سندھ، اردو اکیڈمی، دنیا کا پہلا تحریری دستور، ص:۷۵۔۱۰۶، نیز دستور مدینہ کے مصادر کے مصادر کے لئے دیکھیے ، محمد حمید اللہ ، مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، بیروت، دار الفائس،۱۹۸۳ء
72- عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل ، ص:۵۸
73- ایضا، ص:۷۰
74- الجامع الصحیح للبخاری، کتاب التوحید: باب: بَابُ مَا جَاءَ فِي دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّتَهُ إِلَى تَوْحِيدِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، ج؛۹، ص:۱۱۴، حدیث نمبر:۷۳۷۱
75- المائدہ :۶
76- الحج:۸
77- البقرۃ:۱۸۵
78- الجامع الصحیح، کتاب الایمان ،بَابٌ: الدِّينُ يُسْرٌ، حدیث نمبر:۳۹
79- مسلم ، الجامع الصحیح ، کتاب الجہاد والسیر،باب فی ا لامر بالتیسیر
80- السبکی ، تاج الدین ، الأشباہ والنظائردار الکتب العمیہ :۱۹۹۱ء، ج:۱، ص:۴۹
81- عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص:۲۲۸
82- عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص:۲۳۲
83عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل،، ص:۱۳۱
84- مشکوٰۃ المصابیح، ج:۴،حدیث نمبر:۱۲۸۸
85- بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب:المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدیہ، حدیث نمبر:۱۰

86- مسلم، الجامع الصحیح، کتاب البر والصلہ، باب:تحریم الظنِ حدیث نمبر:۲۵۶۳
87- عبد الجبار، پروفیسر، سیرت مجمع کمالات، کینٹ، ادارہ تعلیمات سیرت علامہ اقبال کالونی، ۱۹۹۵ء، ص:۳۶۷
88- النور:۲
89- عہد رسالت میں معاشرہ اور ممکت کی تشکیل، ص: ۲۰۰۔۲۰۱
90- ابن حجر، فتح الباری ، ج: ۱۳، ص: ۱۴۸
91-الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الشھادات، باب: إِذَا زَكَّى رَجُلٌ رَجُلًا كَفَاهُ،ج:۳،ص:۱۷۶
92- ابن ہشام ، سیرۃ ابن ہشام ،شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابي الحلبي وأولاده بمصر،1955ء،ج:۱، ص: ۴۴۳
93- ابن کثیر ، البدایہ والنہایہ، ج:۳، ص:۱۶۲
94- عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل ، ص: ۲۱۲
95- عہد رسالت میں معاشرہ اور مملکت کی تشکیل، ص:۲۱۳
96- بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح للبخاری، دار طوق النجاۃ،1422ھ،ج:۱، ص:۲۱
97- اسلامی ریاست اور مسلم طرز حکومت ، ص: ۱۲۹
98- عبد الجبار، پروفیسر، سیرت مجمع کمالات، کینٹ، ادارہ تعلیمات سیرت علامہ اقبال کالونی، ۱۹۹۵ء، ص:۳۶۷
99- الجامع الصحیح للبخاری، ج:۱، حدیث نمبر : ۴۸۱

79
80 ۴۹
81 ۲۲۸
82 ۲۳۲
83 ۱۳۱
84 ۱۲۸۸
85 ۱۰
86 ۲۵۶۳
87 ۳۶۷
88 ۲
89 ۲۰۱
90 ۱۴۸
91 ۱۷۶